

جنسیاتی مُطالعے

علی عباس جلالپوری

فہرست

پیش لفظ	1
بلوغت اور اوائلِ شباب	2
حسن و جمال	3
حدیثِ عشق	4
شادی	5
ہم جنسیت	6
قبیگی	7
جنس اور ادب و فن	8
برده فروشی	9
جنس اور مذہب	10

جنسی انحرافات	11
نئے جنسی زاویے	12
اصطلاحات	13
کتابیات	14

پیش لفظ

ایک مستقل شعبہ علم کی حیثیت سے جنسیات کی تدوین ۱۹ ویں صدی میں عمل میں آئی تھی لیکن اس کے اصول و مبادی کا کھوج قدیم تہذیبوں میں بھی ملتا ہے۔ فراعین مصر کے مقبروں کی کھدائی سے ایسی تحریریں دستیاب ہوئی ہیں جنہیں آج کل کی زبان میں فحش کا نام دیا جاتا ہے اور جو عالم عقوبت میں فراعین کا جی بہلانے کے لئے ان کی مموتوں کے ساتھ دفن کی جاتی تھیں چنیو، یونانیوں، رومیوں، ہندیوں اور عربوں نے جنسی موضوعات پر مستقل کتابیں تالیف کیں اور اس علم کے بارے میں ایسے ایسے انکشافات کئے کہ بعض پہلوؤں سے آج بھی ان پر چنداں اضافہ نہیں کیا جاسکا۔ اس ضمن میں افلاطون کے ایک شاگرد میرےفیدیز پونشائی کی کتاب جنسی حفظ، اوڈو کی "فن عشق بازی" اور جونیال، مارشل اور ہورس کی نظمیں قابل ذکر ہیں۔ اوڈو قیصر آگسٹس سیزر کے عہد کا مشہور شاعر تھا جس کا معاشرہ قیصر کی نواسی جو کیا سے ہوا اور راز فاش ہونے پر دونوں کو جلا وطن کر دیا گیا۔ "فن عشق بازی" اوڈو کے ذاتی مشاہدات اور واردات کا آئینہ ہے۔ وہ نسوانی فطرت کا بہت بڑا مبقر ہے۔ اُس نے مزاحیہ پیرائے میں عورتوں کو درغلانے کے گرتائے ہیں اور دوسری طرف عورتوں کو ہدایات دی ہیں کہ وہ کس طرح اپنے عشاق پر قابو پا سکتی ہیں۔ اوڈو، جونیال اور ہورس کی نظموں میں معاصر رومی معاشرے کی جنسی زندگی کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں اور جنسیات کے بارے میں رموز و نکات ملتے ہیں۔ افلاطون کے مکالمے "سمپوزیم" اور "فیدو" میں اور سیفون کی نظموں میں ہم جنسی عشق کا ذکر دالہانہ شیفتگی سے کیا گیا ہے جس سے معلوم ملے جنسی حفظ کے مسلک کو یونانی زبان میں

SEXOLOGY

HEDONE

کہتے تھے۔ اخلاقیات میں HEDONISM کا مکتب اس سے یادگار ہے۔

ہوتا ہے کہ ہم جنسیت قدیم یونانی معاشرے کا تعلیمی ادارہ بن گئی تھی۔ قدیم چینی ادبیات میں دو کتابیں 'سُہرا کُنول' اور 'چنگ ننگ می' قابل ذکر ہیں۔ 'سُہرا کُنول' میں تاؤ مت کے پیروؤں کے لئے اعادہ شباب اور جنسی حفظ کے حصول کے طریقے درج کئے گئے ہیں اور جنسی ترغیبات سے بچت کی گئی ہے۔ 'چنگ ننگ می' میں ایک شخص سبھی جن کی عشقیہ تمنا بیان کی گئی ہیں۔ ہندوستان میں 'وتسیان' کی کتاب 'کام شاستر' مستند مانی گئی ہے۔ 'واتسیان' کا اصل نام ملی ناگا تھا۔ وہ سنیاں کی حالت میں بنارس میں مقیم تھا جب اُس نے یہ کتاب لکھی تھی۔ اُس کا زمانہ پہلی اور چوتھی صدی بعد از مسیح کے درمیان کا بتایا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں 'لنگ شیو دیوتا' کی اور یونی شکتی دیوی کی علامتیں ہیں۔ وہ 'لنگ یونی' کے اتصال کو پریش پر کرتی کے وصال کے مائل خیال کرتے ہیں جس سے یہ کائنات بنی تھی۔ ان کے ہاں مقاربت کی از خود رفتگی اور ملتی جلتی جلتی کیفیات ہیں۔ 'وتسیان' نے 'کام شاستر' میں اس خیال کو پیش نظر رکھا ہے۔ اُس نے عورت کی قسموں، مقاربت کے آسنوں اور جنسی کج رویوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ 'کام شاستر' کا ترجمہ مغرب کی بڑی بڑی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ 'لنگو کا شاستر'، 'لوک شاستر'، 'دمودر گیت' کی 'ننٹی متم' اور 'کیان مل' کی 'اننگ رنگ' میں (نغوی معنی ہے بے رنگ) (کام دیو) کے رنگ) جو لاد ا خاں لودھی کی فرمائش پر لکھی گئی تھی، 'کام شاستر' ہی سے اخذ و استفادہ کیا گیا ہے۔ دتا کاٹنے پائی پتر کی کسبیوں کی فرمائش پر ایک رسالہ لکھا تھا جو دست برد زمانہ کا شکار ہو گیا۔ اس کے اقتباسات البتہ کہیں کہیں ملتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں ملک راج اُستد نے اپنی کتاب 'کام کلا' میں قدمائے ہند کے جنسی نظریات کو جدید انداز میں پیش کیا ہے۔

عربی زبان میں جاحظ کی کتاب 'العرس والعرائس'، 'الہملی' کی کتاب 'الباہ'، ابن حاسب النعمان کی 'کتاب الفیتان'، جلال الدین سیوطی کی کتاب 'الالنیاح فی علم النکاح'، الف لیلہ ولیلہ اور شیخ نغزادی کی 'الروضۃ العاطر فی نزہۃ الخاطر' میں جنسی مباحث ملتے لے چرچہ برپا کرنے لگے۔ گنتی متم لکھا ہے۔ میراجی نے اس کا خوبصورت ترجمہ کیا ہے۔

ہیں۔ شیخ نغزادی تیونس کا رہنے والا تھا۔ یہ کتاب اس نے ۱۷ویں صدی میں ایک وزیر کی فرمائش پر لکھی تھی۔ رچرڈ برٹن نے روضۃ العاطر کا نہایت دلاویز ترجمہ انگریزی میں کیا اور اس پر سیر حاصل حواشی لکھے۔ بعد میں اس کے ترجمے دنیا بھر کی زبانوں میں شائع ہوئے۔ جدید دور کے علماء جنسیات ہیو ملار ایلس اور کینے نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے اور اپنی کتابوں میں جا بجا اس سے اقتباسات دیئے ہیں۔ شیخ نغزادی نے مرد و عورت کی جنسی موافقت، رجولیت، ملاحت اور آسنوں کے بارے میں شرح و بسط سے بحث کی ہے اور اپنے مطالب کی وضاحت کے لئے جا بجا دلچسپ کہانیاں بھی لکھی ہیں البتہ ان میں کہیں کہیں مبالغے کا بھی کام لیا ہے۔ شیخ نغزادی مقاربت کو محض بچے پیدا کرنے کا وسیلہ ہی نہیں سمجھتا بلکہ اسے صحت مند تفریح کا ذریعہ بھی مانتا ہے۔ رچرڈ برٹن نے "الف لیلہ و لیلہ" کا معرکہ آراء ترجمہ انگریزی میں کیا اور اس پر بیش قیمت حواشی لکھے۔ اس ترجمے کا متمم نہایت معلومات افزا ہے۔ اس میں ہم جنسیت کا اختصاصی مطالعہ کیا گیا ہے جنسیات میں بین التہذیبی مطالعے کی ادلیت بلاشبہ رچرڈ برٹن کو حاصل ہے۔

قدما جنسی ملاپ کو ایک فطری عمل سمجھتے تھے اور اس سے بلا تکلف حظ اندوز ہوتے تھے۔ عیسائیوں نے جنسی ملاپ کے ساتھ جرم اور گناہ کے جو مریضانہ احساسات وابستہ کئے۔ ہندیوں، یونانیوں، عربوں اور چینیوں میں ان کا نام و نشان نہیں ملتا۔ کلیسیائے روم کے آباء کلیمنٹ، آگسٹائن وغیرہ نے یہ کہہ کر کہ آدم اور حوا کو مقاربت کے جرم میں جنت سے نکالا گیا تھا اور ان کا یہ جرم ہر بچے کو ورثے میں ملتا ہے، جنس کے ساتھ ازلی گناہ اور فحاشی کے تصورات وابستہ کر دیئے جو مرور زمانہ سے عیسائی اقوام کے ذہن و قلب میں الجھنیں بن کر راسخ ہو گئے۔ یہیں سے اہل مغرب کی عورت دشمنی کا آغاز بھی ہوا اور عورت کو شیطان کا آلہ کار کہہ کر اسے مردود ازلی قرار دیا گیا چنانچہ تاریک صدیوں میں ہزاروں عورتوں کو اس الزام میں

آگ میں جھونک دیا گیا کہ وہ جادوگریاں ہیں اور شیطان کے پاس خلوت میں جاتی ہیں نشاۃ الثانیہ کے دوران میں یونانی اور رومی علوم و فنون کے ساتھ قدام کے طرز حیات اور اخلاقی قدروں کا احیاء بھی ہوا اور شاعروں، فن کاروں اور نقاش نگاروں نے کھل کر حُسن و عشق کی ترجہانی کا حق ادا کیا۔ بوکاچیو اور شہزادی مارگریٹ کی کہانیوں، پیرار کا کے سامیٹوں، ولان کی نظموں سے پہلے کے حصوں، چاسٹر کی شاعری، شیکسپیر اور مولیر کی تھیٹروں، ڈاؤنچی، مائیکل انجلو اور رافیل کی تصویروں میں نئے جمالیاتی احساس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اٹھارویں صدی کو یورپ میں جنسی بے راہ روی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ یہ بے راہ روی اُس رد عمل کی انتہائی صورت تھی جو ازمنہ وسطیٰ اور تحریک اصلاح کلیسیا کی رہبانیت کے خلاف ہوا تھا۔ دسار کے ناولوں "جنس" اور "جولیت" اور کیوس لیٹنڈ کے قصے "فینی ہل" میں اس دور کی جنسی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ انیسویں صدی میں وکٹوریہ کے عہد کی اخلاقی بندشیں علحدہ کر دی گئیں لیکن یہ محض دکھاوا تھا۔ ظاہری پاکبازی اور شائستگی کے پردے میں جنسی بے راہ روی کا بازار بدستور گرم رہا جیسا کہ "میری محفئی زندگی" کے گنام مصنف نے پورست کندہ بیان کیا ہے۔ اسی زمانے میں بخش نگاری کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ ادب میں یہ روایت بڑی حد تک انیسویں صدی سے یادگار ہے۔ اسی صدی میں سانس کی ایجادات کے طفیل صنعتی انقلاب برپا ہوا اور اہل مغرب نے ایشیا، افریقہ اور امریکہ کے بیشتر ممالک پر جارحانہ تاخت کر کے انہیں اپنی مصنوعات کی کھیت کے لئے وسیع منڈیوں میں بدل دیا۔ سامراج کے دوش بدوش عصمت فروشی کے کاروبار کو بھی وسعت ہوئی۔ ایشیا، افریقہ اور امریکہ کے شہروں میں بڑے بڑے قہر خانے کھولے گئے جہاں ہزاروں سفید فام کبھی دوسری مصنوعات اور اجناس کی طرح برآمد کیا گیا اور سفید غلامی منظم تجارت کی صورت اختیار کر گئی۔ فی زمانہ سنگاپور، ہانگ کانگ اور بیروت سفید غلامی کے بڑے مراکز ہیں۔

سانس کی ترقی کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ علم الانسان، عمرانیات، حیاتیات، نفسیات اور

طلب میں حیرت انگیز انکشافات کئے گئے جس کے نتیجے میں علم جنسیات کو بھی وسعت ہوئی۔ علم
 الانسان اور تاریخ تمدن کی تحقیقات نے عصمت فروشی، بلوغت اور شادی کی رسوم اور جنسیت
 کے مسائل پر نئے انداز میں روشنی ڈالی۔ مارگن، رابرٹسن سمٹھ، ٹامپر، فریزر وغیرہ نے سورج کی
 نئی راہیں دکھائیں۔ رابرٹ برفالٹ، ایڈورڈ ویلیئر مارک اور چرلڈ لیون سوہمن نے پیش قیمت
 معلومات ہم پہنچائیں۔ ان کی کتابوں کے مطالعے سے مفہوم ہوتا ہے کہ مختلف اقوام میں بلوغت
 اور شادی کی رسوم کیا تھیں اور جغرافیائی، معاشی اور تمدنی تقاضوں کے تحت جنسی معمولات کس
 طرح مختلف اقوام میں مختلف صورتیں اختیار کرتے رہے نیز اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ اوائل
 تمدن میں صدیوں تک مادری نظام معاشرہ قائم رہا جس میں بکارت کو غیر ضروری بلکہ مذموم سمجھا
 جاتا تھا۔ ننگ اور یونی کو بار آورسی اور زرخیزی کے علامتی مظاہر سمجھ کر ان کی پوجا بڑے ذوق و
 شوق سے کی جاتی تھی، عورت کو مرد پر سیادت حاصل تھی اور املاک کی وارث عورت ہی تھی۔ برہمنی
 انقلاب کے بعد صورت حال بدل گئی اور عورت مرد کی ذاتی املاک بن کر رہ گئی۔ مینا پھر ضابطہ عوامی
 اور عمد نامہ قدیم کے احکام عشرہ میں پیل گائے، جیر بکری کی طرح عورت کو بھی مرد کی ذاتی املاک
 میں شمار کیا گیا ہے۔ زرعی معاشرے میں بکارت کو عورت کی سب سے بڑی خوبی قرار دیا گیا کیونکہ
 کہ مرد اپنی املاک اپنے ہی ضلعی فرزندوں کو ورثے میں چھوڑنا چاہتا تھا۔ عمرانیات کے طلبہ
 نے تاریخی شواہد سے ثابت کیا کہ عصمت فروشی کو ابتدائے تمدن میں ایک مقدس مذہبی ادارے
 کی حیثیت دی گئی تھی، بعد میں اسے عام کاروبار کی صورت میں منظم کیا گیا۔ پیرس ٹیلر
 پولی ایڈلر، فرینڈ و ہنریک وغیرہ نے عصمت فروشی کے موضوع پر عضویاتی اور نفسیاتی
 نقطہ نظر سے قلم اٹھایا اور جنسیات کی دنیا میں یہ نزاع شروع ہوئی کہ کوئی عورت خلقی اور
 عضویاتی لحاظ سے کسی ہوتی ہے یا ماحول اور سماج کے غلط اثرات اس کی گرامی کا باعث ہوتے
 ہیں۔ یہ بحث آج بھی جاری ہے۔ کارل ٹرنر، الرس نے یہ سوال اٹھایا کہ ہم جنسیت ایک خلقی
 میلان ہے جسے کج روی سے تعبیر کرنا تعصب ہے یا ہے اور جو لوگ خلقی طور پر ہم جنسی ہوں انہیں

مردود و نابکار کہنا قرین انصاف نہیں ہے نفسیات اور جنسیات کے عالم میں دوسری بڑی نفع
 ہے جنسی نفسیات میں فرانڈ، میوٹلاک ایلس، برٹس فیلڈ، گرافٹ ایننگ، ڈاکٹر مال، سیزر لومبروسو
 اور پاؤلو مانا گیرانے اہم انکشافات کئے اور ایڈکوشی، اینڈاپسندی، نفسیات طفلی، جنسی ترفیع،
 اوائل شباب کے آشوب، نرگسیت، خود لذتی، شادی وغیرہ کے موضوعات پر خیال افروز بحثیں کی
 ہیں۔ ہمارے زمانے میں جج لنڈے اور برٹنڈرسل نے ماقبل نکاح کے جنسی تعلق کے حق میں لائل
 دیئے ہیں اور کہا ہے کہ نکاح سے پہلے دلہا اور دلہن سال دو سال کے لئے آزمائشی طور پر میاں بوی
 بن کے رہیں تو ان کی شادی زیادہ خوشگوار ثابت ہوگی۔ یہ نظریہ اُس عظیم جنسی انقلاب کی بیش قیاسی
 گزتا ہے جو امریکہ اور یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد اشاعت پذیر ہو رہا ہے صنعتی انقلاب کے
 شیوع کے ساتھ ساتھ جہاں زرعی معاشرے کے معاشی، سیاسی اور تہذیبی نصب العین بدلتے جا رہے
 ہیں وہاں اس کے جنسی اخلاق کی پُرانی قدیں بھی دم توڑ رہی ہیں نئے دور میں عصمت و محفّت
 اور نسوانی حیا کے معروف روایتی تصورات بھی بہت کچھ بدل گئے ہیں۔ میری سٹولس، پروست،
 جیمز جالس، برٹنڈرسل، ڈی ایچ لائیس، ہنری ملر، سارتر، سمون دلوا، مارٹز جالس وغیرہ
 کے خیالات کی اشاعت کے ساتھ مغرب میں نئے نئے جنسی رویے صورت پذیر ہو رہے ہیں اور
 قدیم بت پرست اقوام کی جنسی روایات کا احیاء عمل میں آ رہا ہے۔ یہاں صدی معاشی، سیاسی،
 عمرانی اور جنسی پہلوؤں سے عبوری دور کی حیثیت رکھتی ہے کیوں کہ اس میں زرعی معاشرے کی
 پُرانی اور صنعتی معاشرے کی نئی قدوں کے مابین شدید شکش جاری ہے۔ آنے والی صدیاں ہی
 بتا سکیں گی کہ نئے معاشرے میں کس نوع کا جنسی طرز عمل صورت پذیر ہوگا البتہ یہ بات وثوق سے
 کہی جاسکتی ہے کہ زرعی معاشرے کی اخلاقی اور جنسی قدیں جدید صنعتی معاشرے میں اپنی موجودہ شکل
 و صورت میں باقی و برقرار نہیں رہ سکیں گی۔ ان تبدیلیوں کے آثار سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام
 معاشرہ میں ابھی سے نمایاں ہونے لگے ہیں۔

علی عباس جلاپوری

جنوری ۱۹۷۵ء لاہور

بلوغت اور اوائل شباب

بلوغت کا انحصار بڑی حد تک آب و ہوا پر ہے۔ گرم ممالک میں بالعموم باہر تیرہ برس کی عمر کا لڑکا لڑکی بالغ ہو جاتے ہیں جب کہ سرد ممالک میں بلوغت کا آغاز پندرہ سولہ برس کی عمر میں ہوتا ہے۔ افریقہ اور عرب کے بعض حصوں میں نو دس برس کی لڑکیاں بالغ ہو جاتی ہیں۔

فرائد نے جنسی جبلت کے ارتقاء کے تین مراحل گنائے ہیں۔ ۱۔ طفلی کی جنسیت ۲۔ خفگی ۳۔ بلوغت

طفلی کی جنسیت : فرائد کے نیپال میں شیر غوار بچے میں بھی جنسی خواہش موجود ہوتی ہے۔ اس کے ہونٹوں میں کھانے کی جبلت اور جنسی مطابقت ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ ماں کے پستان سے دودھ پیتے وقت ہلک اور جنسی خواہش دونوں کی تسفی بہ یک وقت کر لیتا ہے۔ بچہ اپنے اعضاء نہانی کے لمس سے بھی اگ گونہ لذت محسوس کرتا ہے، انہیں ٹٹولتا ہے اور ان سے کھیلتا ہے۔ ان اور آیا اس کی ان حرکتوں کو نفرت اور تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہیں اور ڈانٹ ڈپٹ کر اسے ان سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہیں جس سے بچے کے ذہن میں جنس کے ساتھ جرم اور گناہ کے احساسات وابستہ ہو جاتے ہیں جو اس کے سرچشمہ حیات کو مکدر کر دیتے ہیں۔ بلوغت کے دور کی جنسی جبر دیوں کی بنیاد بھی ماں باپ کے غلط رویے کے باعث اسی دور میں پڑتی ہے۔ بسا اوقات ماں باپ بچے کو اپنا عضو خاص ٹٹولتے دیکھ کر اسے قطع کر دینے کی دھمکی دیتے ہیں جس سے بچہ 'فنتہ کی الجھن' میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ختنے کا خوف بعد میں ضمیر کا خوف بن کر نمودار ہوتا ہے۔ یہی الجھن بلوغت کے بعد بچے کو خود کاری کی طرف مائل کرتی ہے۔ ننھی لڑکیاں اپنے ہائیو

کے عضو خاص کو دیکھ کر اس دہم میں مبتلا ہو جاتی ہیں کہ ان کی امی نے ان کا عضو خاص قطع کر دیا ہے اور وہ ساری غمیاں کا یہ تصور معاف نہیں کرتیں۔ نسوانی شرم و حیا اسی نقص کو چھپانے کی کوشش کا نام ہے۔ فرائڈ کے ان خیالات سے بعض علمائے نفسیات نے اختلاف کیا ہے لیکن فرائڈ کے اس ادعا کو عام طور سے تسلیم کر لیا گیا ہے کہ بچے کی جنسی زندگی کا آغاز پیدائش کے وقت ہو جاتا ہے۔ فرائڈ کے بعض پیرو جنس میں بھی جنسی خواہش کے وجود کو مانتے ہیں۔

خفتگی۔ دوسرا مرحلہ خفتگی کا ہے جو بچے کی شیر خوارگی کے خاتمے سے شروع ہو کر بلوغت کے شروع تک رہتا ہے۔ ان سالوں میں جنسی خواہش پس منظر میں چلی جاتی ہے لیکن اس کا اظہار بالواسطہ لڑکوں اور لڑکیوں کے کھیلوں میں ہوتا رہتا ہے۔ لڑکے لڑکیاں بسا اوقات دہا دہن یا ڈاکڑ مر لیں کی اداکاری کرتے ہیں۔ لڑکیاں گڈے گڑیا کا نالگہ رچاتی رہتی ہیں۔

بلوغت۔ بارہ تیرہ برس کی عمر میں لڑکے لڑکی کے جنسی حدود پار مون پیدا کرنے لگتے ہیں۔ قد بڑھ جاتا ہے، لڑکے کی آواز بھاری ہو جاتی ہے۔ رخصی کے سینے پر ابھار آنے لگتا ہے اور اعضاء نہانی پر بال اگ آتے ہیں۔ بعض خوبصورت گول مثول لڑکے بد وضع لم ڈھنگ بن جاتے ہیں، بعض بے ڈول کم رول لڑکیاں دیکھتے دیکھتے جادو نگاہ سیناؤں کا روپ دھار لیتی ہیں گویا انہوں نے کینپلی بدل لی ہے۔ لڑکوں کو پورا جوان بننے کے لئے کئی سال درکار ہوتے ہیں جب کہ لڑکیاں چند ماہ میں پوری عورتیں بن جاتی ہیں۔ ان جسمانی تبدیلیوں کے ساتھ ایک نامعلوم اضطراری کیفیت انہیں اپنی گرفت میں سے لیتی ہے، ہم جلیوں اور اپنی بے بختی عمر کے لڑکوں لڑکیوں کی باتیں بڑی چسپی سے سنی جاتی ہیں جن میں اشاروں کنایوں میں بچے کی پیدائش کے عمل سے بحث کی جاتی ہے اور اعضاء نہانی کے بارے میں قیاس آریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ لڑکوں کی نسبت لڑکیاں زیادہ متجسس ہوتی ہیں۔ وہ بلوغت کے لئے سخت بے چین ہوتی ہیں اور ایام کا بڑی بے صبری سے انتظار کرتی ہیں اگرچہ پہلی بار خون حیض جاری ہونے پر دہشت زدہ بھی ہو جاتی ہیں۔ جب ایام شروع

لے اے EMBRYONIC SEXUALITY کہتے ہیں۔

ہو جائیں تو وہ ایک دوسری کو خیریت مانتی ہیں کہ میں جوان ہو گئی ہوں۔ لڑکی کی بلوغت کی علامت ایام کا آنا ہے، لڑکوں میں اعتلام بلوغت کی نشاندہی کرتا ہے۔ بعض لڑکے لڑکیاں جو بلوغت کے معانی سے بے خبر ہوتے ہیں ایام کے آنے پر یا اعتلام ہونے پر سخت فکر مند ہو جاتے ہیں کہ شاید ہمیں کوئی مرض لگ گیا ہے۔ بلوغت کا ذکر کرتے ہوئے سمون دیوا لکھتی ہیں۔

”اولیٰ شباب میں جذبات میں جہان اور انتشار پیدا ہو جاتا ہے، خواہشات میں اہتری اور تضاد نمایاں ہو جاتا ہے، نیالات پریشان ہو جاتے ہیں، لڑکیاں رومانوی ناول بڑے ذوق سے پڑھتی ہیں، عشقیہ فلمیں دیکھتی ہیں اور اپنے محبوب اداکاروں سے پیار کرنے لگتی ہیں۔ وہ اپنے ملنے والے نوجوانوں میں محبوب اداکاروں کے خدو و خال تلاش کرتی ہیں۔ وہ اپنی شکل و صورت اور لباس کے بارے میں حساس ہوتی ہیں اور معمولی سی نکتہ چینی بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ بات بات پر غصے اور الجھنے لگتی ہیں۔ ماں باپ ان کی کسی حرکت پر گرفت کریں تو خود کشی پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ وہ بسا اوقات ایک دوسری کی محبت میں یا اپنی استانیوں کے پیار میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور ہر ممکن طریقے سے لڑکوں کی توجہ جذب کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جب کوئی لڑکا ان میں دلچسپی کا اظہار کرے تو وہ اپنی سہیلیوں کو فخریہ اپنی فتح کا حال سناتی ہیں کہ اُس نے مجھی کو منتخب کیا ہے۔ اُس سے ان کا اعتماد اپنے حُسن اور کشش پر بحال ہو جاتا ہے۔ خوبصورت لڑکیاں لڑکوں کو تنگی کا ناچ نچا کر بڑی خوش ہوتی ہیں۔ ہر لڑکی کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ اُس کے حُسن و جمال، لباس کی تلاش، فراموشی اور ذوق زیبائش و آرائش پر داد دی جائے۔ اُس کے بالوں، آنکھوں، یابدن کے تناسب کی تعریف کی جائے تو وہ خوشی سے چھوٹے نہیں رہتیں۔“

عمر کے اس نازک دور میں نوجوان اپنی شکل و صورت کے بارے میں بڑے حساس ہوتے ہیں۔ لڑکیاں

اپنی سے زیادہ خوبصورت ہمسایوں کو دیکھ دیکھ کر رشک اور حسد کی آگ میں جلتی ہیں۔ لیونال سائے اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ بد صورت تھا۔ اپنی بد صورتی کا یہ تلخ احساس اُسے عمر بھر ستاتا رہا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا اپنے گنواروں کے جیسے کچے جڑے بھونڈی ناک اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں کو دیکھ کر کڑھتا رہتا تھا۔ لکھتا ہے۔

”میرے خیال میں کسی شخص کی زندگی پر سب سے زیادہ فیصلہ کن اثر اس کی خوبصورتی یا بد صورتی کا ہوتا ہے اور اس سے بھی زیادہ اثر اس بات کا ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کچر شس خیال کرتا ہے کہ بد شکل سمجھتا ہے۔“

اولیٰ شباب کے جذباتی فشار کا ذکر کرتے ہوئے بڑے بڑے لکھتے ہیں کہ

”میں چاندنی راتوں کو پاگلوں کی طرح ادھر ادھر گھومنا کرتا تھا۔ اس کا سبب شدید جنسی خواہش تھی لیکن اُس زمانے میں مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔“

نوجوانوں کے جذبات میں ہر وقت مہمان پارہتا ہے۔ وہ چھوٹی سی بات پر خوشی سے اچھٹنے لگتے ہیں اور معمولی بنا پر مُنہ بسورنے لگتے ہیں۔ یہ رقیق جذباتیت انہیں جن سے نہیں سمجھتے دستی نوجوان لڑکیاں چاہتی ہیں کہ اُن کی بلند از جلد شادی ہو جائے تاکہ وہ خود مختار ہو جائیں اور ماں کی ہر وقت کی نکتہ چینی اور دانستہ کھل سے نجات پالیں۔ بعض لڑکیاں ماں کے درشت رویے سے تنگ آ کر گھر سے جاگ جاتی ہیں۔ وہ پیار کے لئے درستی رہتی ہیں اس لئے جب کوئی نوجوان اُن سے اظہار محبت کرتا ہے تو وہ دل و جان سے اُس پر فدا ہو جاتی ہیں۔ بعض لڑکیاں اپنی بکارت گھوڑے مار کے خلاف بغاوت کا اظہار کرتی ہیں۔ جی۔ بی۔ شانے کہتا ہے کہ ایک انگریز لڑکی سب سے زیادہ اپنی ماں سے نفرت کرتی ہے لیکن اس کے ساتھ وہ ماں کی شفقت اور پیار کی آرزو مند بھی ہوتی ہے جو اُسے شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔ نوجوان لڑکیوں کو سب سے بڑا صدمہ اُس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی لڑکے کو رچھلنے میں ناکام رہتی ہیں۔ ایک لڑکی نے جھٹک کر کہا تھا کہ کاش وہ میری جانب مائل ہو جاتا اور میں

اسے رد کر سکتی ہے، جنسی مواصلت کے بارے میں سخت محسوس ہونے کے باوجود وہ اُس سے مُستغفر بھی ہوتی ہیں۔ ایک لڑکی کا پہلی بار بوسہ یا گیا تو اُسے سخت کراہت محسوس ہوئی اور اُس نے غسلِ غمانے میں جا کر اپنے دانت برش سے صاف کئے۔ ایک اور لڑکی نے پہلی بار کے جنسی ملاپ کے بعد خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی۔ بہار اور فزنا کے موسموں میں نوجویوں کا جنسی جذبہ غیر معمولی تندی سے بھر مک اُٹھتا ہے۔ ان موسموں میں طوفان آتے ہیں، آندھیاں چلتی ہیں اِسی طرح انسان کے اندرون میں بھی طوفان مچ جاتی ہے۔ بہار کے ساتھ عشقیہ شاعری کا تعلق ظاہر ہے۔ بہار کا بخار، نوجوان لڑکے لڑکیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے تو وہ رندِ خوابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اُن کے رگ و پے میں نفسِ پروردِ شگلی کی کیفیتِ خود کربااتی ہے۔ قدیم زمانے میں موسمی اور فصلی تہواروں اور میلوں پر جنسی مواصلت کی آزادی دی جاتی تھی جس سے بہار کا بخار اُتر بایا کرتا تھا۔

وحشی قبائل آغازِ تاریخ سے بلوغت کی رسوم ادا کرتے رہے ہیں۔ افریقہ، آسٹریلیا اور جزائرِ غربِ الہند کے وحشی قبائل میں یہ رسمیں آج بھی باقی ہیں۔ وہ انہیں صحت مند جنسی زندگی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ بختہ کرنے یا بالظہر قطع کرنے کی رسمیں آج بھی ادا کی جاتی ہیں۔ ان کی ادائیگی کے بعد لڑکے اور لڑکی کو بالغ مرد اور عورت تسلیم کر لیا جاتا ہے اور انہیں قبیلے کی ذمے داریاں سونپ دی جاتی ہیں۔ لڑکوں کو خاص طور سے کڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات ان کے اگلے دانت توڑ دیئے جاتے ہیں، انہیں کانٹوں کے بستر پر ٹھایا جاتا ہے یا ان کا بدن آگ میں پتاے ہوئے لوہے سے داغا جاتا ہے۔ اس کے دوران میں کوئی لڑکا یا عورت مار دے یا رو دے تو اُسے بالغ تسلیم نہیں کیا جاتا اور کوئی لڑکی اُس سے بیاہ کرنے پر رضامند نہیں ہوتی۔ ان عذابِ ناک آزمائشوں میں پورا اترنے کے بعد اُسے ہتھیار دیئے جاتے ہیں، شکار میں شریک کیا جاتا ہے اور اُسے عورتوں سے متع کی اجازت مل جاتی ہے۔ وحشی خونِ حیض سے سخت خوفزدہ ہو جاتے ہیں چنانچہ ایام کے دوران میں لڑکیوں کو بستی سے دور علیحدہ جھونپڑے میں رکھا جاتا ہے۔ اُن کے فیصل

میں مخالفہ خطرناک اور ناپاک ہوتی ہے۔ اُس میں ایک قسم کی فلسفاتی قوت پیدا ہو جاتی ہے جس سے بچنا لازم ہے۔ مخالفہ کا یہ طبع بعض مہذب اقوام میں آج بھی برقرار ہے۔ جیمز فریزر کہتا ہے کہ بعض قبائل میں بلوغت کے وقت لڑکی کو سورج کی شعاعوں سے اجیل رکھتے تھے مبادا وہ سورج کی روشنی کو اوردہ نہ کر دے یا اُس کی شعاعوں سے حاملہ ہو جائے۔

بلوغت کے وقت قد زنا جنسی خواہش بزرگ اٹھتی ہے۔ چودہ اور سترہ برس کی عمر کے درمیان نوجوان جنسی طالب کے بارے میں سخت محسوس ہوتے ہیں۔ شکیل کے خیال میں انہی سالوں میں اکثر و بیشتر لڑکیاں اپنی بکارت کو بیعتی ہیں۔ اُنیں برس کی عمر کے بعد البتہ جنسی خواہش میں اعتدال آجاتا ہے۔ جوان لڑکیاں اپنے ہم عمر لڑکوں کو بچے سمجھ کر انہیں سفارت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں اور اپنی عمر سے بڑے نوجوانوں میں دلچسپی لیتی ہیں۔ پندرہ اور اٹھارہ برس کی عمر کے درمیان لڑکیاں اپنے خیال میں مثالی مرد کا تصور بسا لیتی ہیں جو اکثر اوقات کوئی مشہور ایکٹر ہوتا ہے۔ فریڈ کے خیال میں بلوغت کے بعد جنسی خواہش خود لذتی اور ہم جنسیت کے مراحل سے گذر کر بالآخر صنف مخالف سے وابستہ ہو جاتی ہے لیکن یہ ارتقاء مشکلات سے خالی نہیں ہوتا۔ ہم ان مراحل کا ذکر قدرے تفصیل سے کریں گے۔

خود لذتی کی ترکیب ہموار ایک ایسے وضع کی تھی۔ یہ خود کاری سے وسیع تر مفہوم رکھتی ہے۔ خود کاری کا مطلب ہے اپنے اعضاء نہانی کو مختلف طریقوں سے چیر کر منزل ہونے کی کوشش کرنا۔ خود لذتی میں بغیر کسی خارجی وجود کے توسط کے اپنے ہی جسم سے حفا اندوز ہونے کی کوشش کی جاتی ہے۔ خود لذتی اور نرگسیت لازم ملزوم ہیں۔ نرگسیت ان کا جنسی پہلو ہے اس کا مطلب ہے اپنی ذات سے محبت کرنا۔ لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیوں میں نرگسیت کی جانب زیادہ میلان پایا جاتا ہے۔ لڑکوں میں یہ میلان زنانہ مزاجی کی علامت ہے۔ نوجوان لڑکیاں قدیم آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے جسم کے دلاویز زوایوں کو مختلف پہلوؤں سے دیکھ دیکھ کر

محفوظ ہوتی ہیں اور بعض اوقات بے اختیار پکار اٹھتی ہیں ”اُف! میں کس قدر حسین ہوں!“ سمجھنا
 دلوں کا ہستی ہیں۔

”نوجوان دوشیزہ اپنے بدن سے نفس پرورد محبت کرتی ہے، اپنے آپ سے پیار
 کرتی ہے، اپنے بوسے لیتی ہے، اپنے برہنہ کندھوں اور بازوؤں کو چومتی ہے،
 اپنی ٹانگوں اور پھاتوں کو گھورتی ہے۔ آغاز شباب ہی سے اُس کے دل و دماغ
 میں اپنی ذات کی محبت اور مرد کی طرف راجب ہونے کی تنائیں کشمکش پیدا
 ہو جاتی ہے۔ یہ نرگسیت جنسی تختگی آنے پر رفع ہو جاتی ہے..... نوجوان دوشیزہ
 عالم حقائق سے منہ موڑ کر اپنے ہی حسین بدن کے جادو پر عقیدہ رکھتی ہے۔
 جادو جو مردوں کو اس کا مطیع کر دے گا بعض روکیاں اپنے برہنہ اعضاء ایک
 دوسری کو دکھاتی ہیں، آپس میں پھاتوں کا مقابلہ کرتی ہیں اور عام و خاص یوں
 کا تبادلہ کرتی ہیں۔“

بسا اوقات نوجوان نضائی سچان کے لیے میں بے اختیار بہہ جاتے ہیں، اپنے جذبات کی شور
 پر قابو نہیں پاسکتے اور خود کاری کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ عام حالات میں اُن سے بڑی عمر کے
 لوگوں کے روکیاں انہیں گمراہ کرتی ہیں لیکن بعض دفعہ نضائی سچان بھی انہیں خود کاری کے طریقے بکھا
 دیتا ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح جنسی خواہش کے جوش و خروش کو رفع کر لیتے ہیں۔ بہر حال
 لکھتے ہیں۔

”پندرہ برس کی عمر میں ڈسک کے ساتھ لگ کر بیٹھتے ہوئے مجھے محنت نیز شہوت
 اور میں جلق لگانے لگتا اللہ! اس میں میں نے کثرت کبھی نہیں کی میں اس پر
 شرمسار ہوتا اور اسے ترک کرنے کی کوشش کرتا تاہم میں برس کی عمر تک
 جلق لگاتا رہتا تا کہ عیش میں مبتلا ہوا اور میں نے یہ عادت ترک کر دی۔۔۔ جنسی

جذبے کے اس اُبال کے ساتھ میری مثالیت پسندی کے احصاءات وابستہ تھے جن کے بارے میں سنوڑ مجھے علم نہیں تھا کہ یہ جنسی خواہش پر مبنی ہیں۔ مجھے بالوں اور شفق، بہار اور خزاں کے درختوں کے خُسن میں بے حد دلچسپی محسوس ہونے لگی لیکن یہ دلچسپی جذباتی نوع کی تھی اور جنس کے لاشعوری ارتقاع کی ایک صورت تھی میں اس میں فرار تلاش کیا کرتا تھا۔“

صنی میں سلاطین اور اُمراء کے بعض گھرانوں میں نوخیز لڑکیوں کو حلق سے بچانے کے لئے انہیں بالغ ہونے پر لونڈیاں دی جاتی تھیں۔ مہمدی جوان ہوا تو اُس کے باپ منصور نے اسے ایک کینز حیاۃ عطا کی تھی۔ لیونالسنائے لکھتا ہے کہ اُس کا بھائی نکولس سولہ برس کا ہوا تو اُس کے باپ نے نکولس کو ایک لونڈی تھی تاکہ وہ بے راہ روی سے محفوظ رہے۔ اس لونڈی کے لہجے سے نکولس کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا تھا۔ جدید تمدن میں جنسی خواہش کو بھڑکانے کے سامان تو بہت ہیں لیکن اس کی آسودگی کے وسائل کم ہیں۔ نوخیز عایانہ گیت سن سن کر اور محسوس پر در فلمیں دیکھ دیکھ کر از خود رفتہ ہو جاتے ہیں اور نفسانی بوجھان سے نجات پانے کے لئے خود کاری سے رجوع لاتے ہیں جتنے کی پورٹ کے مطابق امریکہ میں ۹۳ فی صد لڑکیاں پندرہ برس کی عمر میں خود کاری کرتی ہیں البتہ جنسی مواصلت میسر آنے پر اسے ترک کر دیتی ہیں بھلاسنہ کی تحقیق یہ ہے کہ نادرے سویڈن میں دو تہائی لڑکیاں سولہ برس کی عمر میں خود کاری کرتی ہیں اور اکثر و بیشتر لڑکے حلق لگاتے ہیں۔

حلق کے اثرات کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ریسنے دگورمول اور اُس کے ہم خیال کہتے ہیں کہ حلق لگانا عین فطری ہے۔ نوخیزی کے نادرے مرحلے پر کبھی کبھار حلق لگانے یا خود کاری کرنے سے لڑکے اور لڑکیوں کو اعصابی آسودگی اور جنسی تسکین میسر آتی ہے۔ ہونیواک ایس کے خیال میں حلق لگانے سے جسم کی بہ نسبت ذہن زیادہ مآؤف ہوتا ہے کیوں کہ اس سے نوخیز احساس جرم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ جرم یا گناہ کا یہ تلخ احساس نہ ہو تو حلق چنداں ضرر رساں نہیں بنتی۔ فرائد کہتا ہے کہ حلق سے جو ذہنی کرب اور احساس جرم کی اذیت محسوس ہوتی ہے وہ جسمانی حرر سے

کہیں زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اس کے خیال میں ہر نوعیت کو خود لذتی کے مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے
 جلتی اور خود کاری نوعیتوں کے نفسانی ہیجان کی تسکین کا باعث ہوتی ہے۔ شیر خوار بچے بھی خود کاری
 سے محفوظ ہوتے ہیں اور نوعیت میں اسی میلان کا احیاء ہوتا ہے۔ اکثر ڈاکٹروں اور تحلیل نفسی کے
 طلبہ کے خیال میں کبھی کبھار کی خود کاری یا جلتی فرد رساں نہیں ہوتی البتہ اس کی کثرت و مداومت
 جسمانی و نفسیاتی صحت کو تباہ کر دیتی ہے۔ اس سے لوگوں کو زیادہ نقصان پہنچتا ہے کیوں کہ مادہ
 منویہ کا بکثرت اخراج ان کے اعصاب کو مضمحل اور توانائی کو ختم کر دیتا ہے۔ فرائد کہتا ہے۔
 ”ڈاکٹر جلتی کے منفرد اثرات کو قابل اہتنامہ نہیں سمجھتے جب کہ مریض کہتے ہیں کہ ان کے
 جلد عوارض کا اصل سبب جلتی ہی ہے۔ میرے خیال میں مریض ٹھیک ہی کہتے ہیں۔“

ڈاکٹر میری سٹولس لکھتی ہیں

”مردانہ کمزوری، سرعت انزال وغیرہ کا ایک اہم سبب جلتی ہے۔ اکثر نوعیتوں کے
 لوگ جلتی لگاتے ہیں۔ مذی کے اخراج سے مرد کا عضو خاص دخول میں کوئی وقت
 محسوس نہیں کرتا لیکن ہاتھ یا کسی دوسری شے کی رگڑ سے خشک اور عضو مخصوص کی رگوں
 کو نقصان پہنچتا ہے اور وہ پوری طرح نشوونما نہیں پاسکتا جس سے آدمی مقاربت
 کے قابل نہیں رہتا۔ کبھی کبھار جلتی لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن نوعیتوں کے
 دوران میں کثرت و تواتر سے جلتی لگانا تباہ کن ہے۔ جلتی کے ساتھ گناہ کی الجھن
 وابستہ ہو جاتی ہے جو اکثر اوقات سرعت انزال کا باعث ہوتی ہے۔ مجھ کو کبھی
 گناہ سے نجات دلانا ضروری ہے۔ جو لوگ کبھی کبھار جلتی لگاتے ہیں ان کی صحت پر
 کوئی ناخوشگوار اثر نہیں پڑتا۔“

عام حالات میں نوعیت کبھی کبھار جلتی لگا کر جنسی تسکین حاصل کر لیتے ہیں لیکن بعض نوعیتوں کی جبر کے
 تحت جلتی لگاتے ہیں یا خود کاری سے رجوع لاتے ہیں۔ ان کی اکثریت ایسے نوعیتوں پر مشتمل ہوتی ہے

جو ماں باپ کی محبت سے محروم ہوتے ہیں یا اپنی بد صورتی کے باعث جذبِ توجہ سے قاصر رہتے ہیں۔ اس محرومی کے باعث وہ روزِ خوابی کی حالت میں تخیلاتی معاشقے کرتے ہیں۔ ان کے لئے جلتی یا خودکاری ایک جبری فعل کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ یہی وہ فوئیز ہیں جن کے لئے جلتی یا خودکاری نہایت ضرور رہاں ہوتی ہے۔

کثرتِ جلتی بلاشبہ ایک فوئیز کے جسم اور ذہن کے اکثر عوارض کا سبب بن جاتی ہے۔ بارہ، تیرہ برس کی عمر میں کثرت و تواتر سے جلتی لگائی جائے تو اعضائے تناسل کی نشوونما رک جاتی ہے۔ کوتاہی، لاغری اور کمزوری کے باعث مخلوقِ مقادرت کے قابل نہیں رہتا، اُس کا نظامِ عصبی ماؤف ہو جاتا ہے اور ذکاوتِ حس کے باعث سرعتِ انزال میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اُس کا بدن کمزور اور ناتواں ہوتا ہے، آنکھیں اندر دھنس جاتی ہیں، اُن کے گرد سیاہ حلقے نمودار ہو جاتے ہیں، آنکھوں کی پتلیاں بے رونق اور بے نور ہو جاتی ہیں، چہرے کا رنگ مٹا ہوا ہو جاتا ہے، چہرے پر پھینیاں نکل آتی ہیں، ہاتھ پیچھے بھیگے اور سر در ہتے ہیں، حافظہ کمزور ہو جاتا ہے، بات کرتے وقت وہ محال سے آنکھ نہیں ملا سکتا نہ کسی مسئلے پر غور و فکر کر سکتا ہے، اُس کا اعتمادِ نفس مجروح ہو جاتا ہے، مزاج ہموار نہیں رہتا، عزم و حوصلہ سے عاری ہو جاتا ہے، مسئولتِ مزاج اور چرچا ہو جاتا ہے اور ٹوٹے پھوٹے جملوں میں بات کرتا ہے، دوسرے ہم سنوں کی صحبت سے گریز کرتا ہے اور کھیلوں میں حصہ نہیں لیتا، یکہ و تنہا ادھر ادھر گھومتا پھرتا ہے، لباس کے معاملے میں بے پروا ہوتا ہے، بدن کی صفائی کا خیال نہیں رکھتا، شادی کے نام سے گھبراتا ہے، جوانِ عورت سے بات کرتے ہوئے اُس کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں اور دل دھک دھک کرنے لگتا ہے۔ وہ عصبی الزامی اور تشویش کی الجھن میں مبتلا ہو جاتا ہے جس میں سفر کر رہا ہو تو ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں اُس کی ٹکڑ نہ ہو جائے، سینما ہال میں بیٹھا ہو تو اوپر دیکھتا ہے کہ کہیں چھت نہ گر پڑے۔ اُس کی اقدام اور ہش رفت کی قوت سلب ہو جاتی ہے اور اُس میں مر لیا نہ بھجک پیدا ہو جاتی ہے۔ نفسیاتی رکاوٹ کے باعث وہ معمولی سا کام بھی سلیقے سے نہیں کر سکتا مثلاً فلکی

والے کو آواز دیتے وقت، کھڑکی سے ٹکٹ خریدتے وقت، ریل میں سوار ہوتے ہوئے، پبلک بیت الخلاء کو استعمال کرنے وقت گھبرا جاتا ہے۔ وہ نہ کسی کے مذاق پر کھل کر فہس سکتا ہے اور نہ کسی کی مصیبت میں کسی سے اظہارِ ہمدردی کر سکتا ہے۔ اُس کی خاموشی اور لبِ بستگی کے باعث لوگ اُسے متکبر سمجھنے لگتے ہیں کیوں کہ وہ اُس کے عجیب و غریب طرزِ عمل کے اصل سبب سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اُسے اپنی المناک حالت کا احساس ہوتا ہے اور وہ چوری چھپے اپنا علاج بھی کرنا نہ ہے لیکن مستند معالج کے پاس جا کر صاف صاف اپنا حال نہیں بتا سکتا۔ اشتہاری عطائیوں سے دوائیں منگو کر کھاتا رہتا ہے جس سے اُس کی رہی سہی صحت بھی جواب دے جاتی ہے۔ وہ زندگی کے حقائق سے گریز کر کے بڑے بڑے بلند نصب العین اپنا لیتا ہے اور میر و بنے کے خواب دیکھنے لگتا ہے، ادبی ذوق سے بہرہ ور ہو تو معیار سے بگڑا ہوا ادب تخلیق کرتا ہے۔ اُس کے احساس میں جو ذکاوت اور تخیل میں جو خواب نامی سی آجاتی ہے وہ اُس کے شعروں اور قصوں میں بھی رقیقِ مذبذبت اور المناک افسردگی کا رنگ بھرتی رہتی ہے۔

نوفیروں کو کثرتِ حلق سے علت سے بچانے کی ذمہ داری باپ پر عائد ہوتی ہے کیوں کہ نوفیری کے مرحلے پر لڑکے سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ مناسب جنسی معلومات سے بہرہ مند ہوگا اور کثرتِ حلق کے اثرات و نتائج کا وقوف رکھے گا۔ لڑکا بارہ تیرہ برس کا ہو جائے تو باپ پر لازم ہے کہ وہ اُس پر نگاہ رکھے۔ لڑکے کو علمدہ کمرے میں سونے کا موقع نہ دے بلکہ رات کو اُس کی چارپائی اپنے پاس بچھوائے، اُسے ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کی ترغیب دلائے، اُس کے چھوٹے موٹے عقفے سلجھانے کی کوشش کرے اور اُسے جا بجا مزلش نہ کرے۔ ایک نوفیر کے لئے بیکار بیٹھنا زہر ہے۔ اُس کے اوقاتِ عمل ایسے متعین کئے جائیں کہ وہ ہر وقت مطالعے یا صحت مند قسم کے کھیل تفریح میں مصروف رہے۔ میں یہاں ایک لڑکے کی مثال دوں گا۔

حمید — یہ نام فرضی ہے — میری جماعت میں پڑھتا تھا۔ وہ اکثر جماعت سے غیر حاضر رہتا یا چپ چاپ اپنی نشست پر بیٹھا رہتا۔ وہ آنکھوں پر گہرا سیاہ چشمہ لگاتا تھا اور جماعت کی کسی

بمٹ میں حصہ نہیں لیتا تھا۔ جب کبھی اُس سے کوئی سوال پوچھا جاتا تو وہ سر ہٹائے چپ چاپ اپنی جگہ کھڑا ہو جاتا اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑانے لگتا جس پر دوسرے لڑکے ہنسنے لگتے۔ کالج میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک دن حمید تھکتا، سمٹا ہوا میرے پاس آیا اور دیر تک بیٹھا ادھر ادھر کی بے نیکی باتیں کرتا رہا۔ اُس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا اور آنکھوں میں شکار کئے جانے والے جانور کی کرب ناک وحشت تھی۔ آغز ایسی آوازیں جو معمولی آواز سے چڑھی ہوئی تھی اور جس میں ایک دہی دہی سی چیخ محسوس ہوتی تھی یکبارگی وہ اپنا دکھارونے لگا۔ اُس نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کم اشاروں کئیائیوں میں زیادہ مجھے اپنی پتا سنائی پھر گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور اجازت طلب کی جاتے وقت وہ اپنی نوٹ بکس میرے پاس چھوڑ گیا اور کہنے لگا کہ جو کچھ میں زبانی نہیں بتا سکا وہ ان میں پڑھ لیجئے گا پھر باجٹم نم بولا آپ میرے مشفق استاد ہیں میں آپ سے امداد کا طالب ہوں خدا را میری مدد کیجئے آپ میرا آخری سہارا ہیں۔ اس کے بعد وہ پورا ایک سال ہفتے میں ایک بار میرے پاس آتا رہا اور جو باتیں میرے سامنے نہ کہہ سکا وہ اپنے خطوط میں لکھ کر بھیجتا رہا۔ اُس کے خطوط میرے پاس موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

”۔۔۔۔۔ اس وقت میرے چاروں طرف تلکرات، مایوسیوں، درد و کرب، الجھنوں، پریشانیوں، غمزدگیوں کے بادل چھا گئے ہیں اور میں تھکی ہوئی نڈھال آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا ہوں میں ان کا مقابلہ کرتے کرتے اب تھک گیا ہوں۔ میں اب اس بوجھ کو مزید اپنے کمزور و ناتواں کندھوں پر ڈال کر چند قدم بھی نہیں چل سکتا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے اندر اب موت کی خواہش پیدا ہو رہی ہے۔“

”۔۔۔۔۔ آج آپ جس شخص کو سامنے بیٹھا ہوا دیکھ رہے تھے اُس کی ان آنکھوں کی اوٹ میں درجستہ طوفانی طویل مچلی ہوئی تھی۔ میں نے کئی مرتبہ کوشش کی لیکن میں اپنے اس روحانی ودلی کرب و اذیت، تکلیف، زخموں کو مناسب و موثر طریقے سے آپ کو دکھانے میں ناکام رہا۔ میں اس درد و کرب کو ذہنی عیاشی کا ذریعہ بنا سکتا ہوں مگر روحانی عیاشی کا نہیں اس لئے کہ روح کو خوشی سے واسطہ ہے نہ کہ عیش سے۔ جب سے میں نے فلم ’زندگی یا طوفان‘ دیکھی ہے میں اتنا پریشان، غمزدہ، درد و کرب میں

مبتلا ہوں کہ میں دنیا بھر کے الفاظ استعمال کرنے کے بعد بھی اس کو درست طریقے پر بیان نہیں کر سکتا۔ میں ایک زندہ لاش ہوں جو ادھر ادھر رنگ رہی ہو اس احساس کے ساتھ کہ آج میں واقعی مُردہ ہوں۔ میں اب مرجانا چاہتا ہوں۔ کاش مجھ میں مرنے کی ہمت ہو جائے۔ اب میری پُرانی لائٹس ٹوٹ رہی ہیں۔ اب مجھ کو اگر کوئی مناسب بہانہ ملا تو میں کمر قیدہ کے ساتھ نیچے گر پڑوں گا اور پھر کبھی آپ کے پاس نہیں آؤں گا۔“

”میں اپنا دُہلا پتلا جسم دیکھ کر شدید خود ترسی میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ میرے اندر بیخیاں ابھرتا ہے کہ مجھے ٹی بی ہو جائے گی اور اب میں مرجاؤں گا لیکن میں یہ نہیں ہونے دوں گا۔ میں اس طرح گھٹ گھٹ کر جہنمی عذاب کے ساتھ ہرگز مرنے کے لئے تیار نہیں ہوں، میں خود کشی کو ترجیح دوں گا لیکن میں زندگی موت کی اس جدوجہد کے دوران ایک داؤ، آخری داؤ ضرور لگانا چاہتا ہوں۔ میں اب موموم امیدوں کے سہارے زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ کاش کہ آپ اس وقت میرے دل میں بھانک سکتے۔ میں یہ منظور لکھ رہا ہوں۔ میری از حد نمانک، افسردہ آنکھوں میں بھانک کر میری روح کی شدید سسکیوں کو سن سکتے کہ میں کس طرح ان انگاروں پر ٹوٹ رہا ہوں..... میرے اندر کی کسی کیسی عجیب امیدیں ہوتی ہیں جو اپنی سرتوں کے مزاد پر دیے بھی جلاتی ہیں اور زندگی کے نئے سورج کی طرف بھی حسرت تک لگا ہوں سے دیکھتی ہیں۔ مجھ سے بڑھ کر مصیبت زدہ شاید ہی کوئی ہو۔ اگر میں اپنے آپ کو بد نصیب کہوں تو وہ اپنے جرائم، پر غلطیوں کی پردہ پوشی کے مترادف ہو گا۔ اللہ بد بخت کہنے میں مجھے کوئی عار نہیں۔ اس مرحلے پر پہنچ کر اب میرے اندر جینے کی تمام مقصود ہو رہی ہے۔“

”میری آنکھوں میں عجیب سی بد ہوشی، مُردگی کا پتہ چلتا ہے، دماغ پتھر کی طرح بے حس اور ٹھس ہے..... میری حالت کتنی تکلیف دہ ہے مگر اس کے باوجود میں ایک عجیب سی بے ہوشی کے عالم میں وہی حرکتیں دہراتا رہتا ہوں..... میرے دل و دماغ پر مبہم سی کیفیات طاری ہیں؛ اُداسی، عجیب سی خلش، بے نام سی بے کیفی، افسوس و رنج۔“

لے بیٹا کھیاں

خود ترسی، رحم طلبی، موت کی آرزو، تشویش اور جرم کی الجھن کثرتِ جلیق اور خودکاری میں مبتلا نوجوانوں کے احساس و فکر کی عکاسی کرتی ہیں۔ بطوالت کے خوف سے راقم التحریر حمید کے تجزیہ نفس کی تفصیلات، اُس کی رہنمائی اور خودکاری کے جبر کو توڑنے کے سلسلے میں اپنی کوششوں کا ذکر نہیں کرے گا۔ شاید اِس ذکر کا یہ محل بھی نہیں ہے۔ مختصراً یہ کہ حمید بارہ تین برس کی عمر ہی میں خودکاری کرنے لگا۔ وہ ایک امیر باپ کا بیٹا تھا۔ اُس کا باپ ابتدائے عمر میں ایک کم مایہ درزی تھا جس نے سسرال والوں کی مدد سے کاروبار شروع کیا چند ہی سالوں میں لکھتی بن گیا۔ دوسرے نو دولتوں کی طرح وہ نہایت خود غرض، قابو پتی، خسیس اور شیخی خور تھا اور اپنے بیٹوں کو ایک ایک پائی کا محتاج رکھ کر منفی قسم کی خوشی محسوس کیا کرتا تھا۔ بظاہر وہ بڑا متدین تھا لیکن زُبد و دُرع کے پردے میں ذاتی مفاد کی پرورش کرتا تھا۔ یہ سب باتیں اُس کے بیٹے نے مجھے بتائیں حمید اُس کا چوتھا بیٹا تھا اور ایسا بچہ تھا جس کی ذات میں باپ نے کبھی بھی لُچپی کا اظہار نہیں کیا۔ وہ لڑکپن میں باپ کی شفقت کے لئے ترستار ہا۔ اُس کا باپ اپنے کاروبار میں اس قدر مصروف تھا کہ عسوتوں تک گھر میں اُس کا چہرہ دکھائی نہیں دیتا تھا اور جب کبھی اتفاق سے وہ سامنے آ بھی جاتا تو حمید کو ڈانٹ ڈپٹ کے کے برا کچھ نہ ملتا۔ باپ کے اِس تغافل نے حمید کو لڑکپن ہی میں اِک گونہ تشویش اور وحشت میں مبتلا کر دیا۔ اُس کی ماں کو بھی گھر کے کام کاج سے فرصت نہیں ملتی تھی، بڑے بھائی اپنے اپنے چکر بول میں پڑے تھے۔ ناچار جی بھلانے کے لئے نوکروں کے پاس بیٹھنے لگا۔ ایک دن ایک نوکر سے حمید نے پوچھا کہ یہ پریاں کیا ہوتی ہیں جن کا ذکر قصوں میں آتا ہے۔ نوکر نے کہا میں تمہیں پرستار کی میر کر اؤں گا اور اِس عنوان سے حمید کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ اوّل شباب ہی سے حمید کثرت سے فلمیں دیکھنے لگا۔ اِس طرح گھر کے ماحول سے اُسے فرار کا ایک راستہ مل گیا۔ فلموں میں بوس و کنار کے مناظر دیکھ دیکھ کر اور عشقہ گلنے سن سن کر اُس کی جنسی خواہش میں اُبال اُگیا اور اُس نے خودکاری کرنا شروع کی جو شدہ شدہ جبر کی صورت اختیار کر گئی اور اُس کے لئے تفریح کا ایک وسیلہ بن گئی۔ اِن دنوں وہ اپنے آپ کو ہیر سمجھتا تھا۔ وہ فلموں کے مکالمے یاد کر کے تہنائی میں بولا کرتا

اور اُن کے گلے لگنا یا کرتا۔ اس کے ساتھ اُس نے ابنِ صفی وغیرہ کے حامیانِ ناول پڑھنے شروع کیے۔ ایک دن گلی کی لائبریری سے اُسے وہی وہانوی کا ایک ناول پڑھنے کو ملا جس کی فیس دس روپے وصول کی گئی۔ ان مشاغل کے لئے روپے کی ضرورت تھی چنانچہ حمید گھر میں چوری کرنے لگا۔ اُس نے انگریزی رسالوں سے عورتوں کی نیم غریاں تصویریں کاٹ کاٹ کر ایک البم بنایا جہاں کہیں اُسے کوئی نیم غریا تصویر دکھائی دیتی وہ اُسے حاصل کر کے دم لیتا تھا۔ خود کاری کے وقت وہ اس البم کی تصویریں سامنے رکھ لیتا اور تخیل میں فرض کر لیتا کہ یہ اُس کی صین محبوبہ ہے جو اُسے ملنے کے لئے آئی ہے۔ وہ اُس سے باتیں کرتا، پرجوش الفاظ میں اُس سے اظہارِ عشق کرتا اور اُسے محبت بھرے فلمی گیت سنایا کرتا۔ اپنے 'حرم' کی ہر عورت سے اُسے عشق تھا۔ اس بڑے کو گدبہ دی عورتوں کے بوجھل کوہلوں اور بھری بھری راتوں کا ضبط تھا۔ راستہ چلتے ہوئے اُس کی منڈ بھر کسی ایسی عورت سے ہوساتی جس کے کوہ بے بھاری بھر کم ہوتے تو وہ اُس کے پیچھے پیچھے بولتا اور اُس کے منگتے ہوئے کوہلوں پر نظریں گاڑے خاصی دیر تک اُس کا پیچھا کیا کرتا۔ بقول اُس کے وہ کسی ایسی عورت کے پیچھے پیچھا چلتا ہوا دنیا کے آخری سرے تک جاسکتا تھا۔ شبانہ روز کی خود کاری سے اُس کا جسم سُکھ کر کاٹا ہو گیا اور چہرے پر زردی کھنڈ گئی۔ وہ اکثر اوقات اپنے کمرے میں گھسارہتا اور خیالات کی دنیا بسائے رکھتا۔ وہ اپنے تصور میں کسی فلم اکرٹیس یا انگریزی رسالے کی کسی نیم غریا عورت کو بسا لیتا اور پھر ابتدائے عشق سے لے کر انتہائے وصال تک کے مراحل خیال ہی خیال میں طے کیا کرتا۔ اسی زمانے میں اُس نے فحش نگاری شروع کی۔ اُس کی نوٹ بکوں میں نہایت فحش افسانے میری نظروں سے گزرے۔ فحاشی کے باوجود مجھے بعض مقامات پر اُس کی فن کارانہ بصیرت اور لطافتِ بیان کا احساس بھی ہوا۔ ظاہراً اپنے تخیلات کی عملی ترجمانی کے لئے اُس نے فحش نگاری کا سہارا لیا تھا۔ اُس کی فحش تحریریں دیکھ کر میرا یہ عقیدہ راسخ ہو گیا کہ فحش نویس پورے مرد نہیں ہوتے اور فحاشی سے اپنی کوتاہ مہتی کی تلافی کرتے رہتے ہیں۔

مشرق کے دوران میں ایک دن حمید نے بڑی عاجزی سے مجھ سے قرضِ حسد مانگا اور

وعدہ کیا کہ ایک ماہ تک رقم واپس کر دے گا۔ میں نے ٹال مٹول سے کام لیا کیوں کہ ایک تو مجھے اس بات کا یقین تھا کہ یہ رقم فحش کتابوں اور فلموں پر صرف ہوگی اور دوسرے میں جانتا تھا کہ وہ یہ قرض جلد واپس نہیں کر سکے گا، دوسرے مقررہوں کی طرح جاگ جائے گا اور سٹورہ ادھورا رہ جائے گا بہر صورت ایک برس کے بعد وہ اچانک غائب ہو گیا۔ اُس کا آخری خط جو مجھے ملا اُس میں حمید نے بڑی گرم جوشی سے حیرانگیرانہ ادا کیا تھا۔ کچھ مدت کے بعد مجھے بتایا گیا کہ اُس کی صحت پہلے سے بہتر ہے اور اُس کے باپ نے ایک معقول کاروبار بھی اُس کے سپرد کر دیا ہے۔

نویسندگان کی ہم جنسی محبت اگرچہ شعوری اور واضح طور پر جنسی نہیں ہوتی تاہم اُس کی تہ میں نیا نیا بیدار شدہ جنسی اُبال ضرور کارفرما ہوتا ہے۔ اس نوع کی محبت کی مثالیں ہر سکول اور کالج میں بالعموم اور طلبہ و طالبات کی اقامت گاہوں میں بالخصوص ملتی ہیں۔ ایک ہی جماعت یا مدرسے میں پڑھنے والے لڑکے بعض اوقات ایک دوسرے سے پُرصوص محبت کرنے لگتے ہیں خوبصورت اور خوش پوش لڑکے اپنے ساتھیوں کی توجہ کے مرکز بن جاتے ہیں۔ لڑکے اُن کی تالیفِ قلب میں کوشاں رہتے ہیں اور اُن سے باتیں کرنے اور ہل کر کھیلنے کے عنوان تلاش کر لیتے ہیں بعض اوقات وہ حسد اور رقابت کے مارے لڑائی جھگڑے پر بھی اُتر آتے ہیں۔ ایرانی ذوق رکھنے والے بعض اُستاد بھی خوبصورت لڑکوں کے دیدار سے آنکھیں سینکتے ہیں۔

بہ مکتب آمد اُن طفل پریراد مبارک باد مرگِ نوبہ اُستاد

اُستادوں اور چاہنے والے طلبہ میں رقابت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بطور قلم بند کرتے ہوئے راقم التحریر کو دو واقعات یاد آرہے ہیں۔ پہلا واقعہ لاہور کے ایک مشہور سکول سے متعلق ہے۔ کئی برس ہونے کو اُسے اس سکول کے ایک ماسٹر صاحب ایک خوب رو لڑکے پر فریضہ ہو گئے۔ وہ چھٹی کے بعد اس طالب علم کو اپنے کمرے میں بلالیتے اور اُس سے محبت بھری باتیں کیا کرتے۔ ماسٹر صاحب کے رقیب طلبہ بھی تاک میں تھے۔ ایک دن اُن لڑکوں نے ماسٹر صاحب کو عین حالتِ دگرگوں میں پکڑ لیا اور شور مچا دیا۔ بات دور تک پہنچی لیکن سکول کے وفد کے نام پر اسے وبادیا گیا۔